پہلا ایڈیشن

داستانیں

اور حقیقت

★امام غائب ذندہ ھیں؟

★معجزوں کی حقیقت کیا ھے؟

★اصل ابلیس کون ھے؟

★تقدیر طے ھے؟

ایسے کئی سوالات کے جوابات پر مشتمل مختصر کتابچہ !

محمد نواز ساحر

مقدمہ

میرا مختصر تعارف یہ ہے کہ میرا نام محمد نواز ہے اور میں ایک طالب علم ہوں۔ میرا تعلق شروع سے ہی ایک مذہبی گھرانے سے رہا ہے جہاں دادا مرحوم گاؤں کی اکلوتی مسجد کے امام تھے۔ گاؤں کی زیادہ تر آبادی شیعہ فرقے سے تعلق رکھتی تھی تو ان میں رہنے سہنے اور ان کی رسومات کو دیکھتے ہوئے بچپن سے ہی مختلف موضوعات پر تحقیق کرنے کا شوق پیدا ہوا۔

میں نے مختلف موضوعات کو سمجھنے کے لیے ہر فقہ کی کتب پڑھنا شروع کر دیں۔

مطالعہ وسیع ہوتا چلا گیا اور میرے لیے علمی و تحقیقی دنیا کے وسیع دروازے کھلتے چلے گئے۔

یہ چھوٹی سی کتاب جو کہ اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے فی الحال میری علمی تحقیقات کا نچوڑ ہے جسے مرتب کرتے ہوئے میں نے مختلف علماء کرام کی کتب سے استفادہ کیا ہے۔

ان تمام کتابوں کے حوالے اس کتاب کے فائنل ایڈیشن میں شائع کر دیے جائیں گے۔

میرا یہ دعویٰ ہر گز نہیں ہے کہ میری لکھی ہوئی تمام باتیں حرفِ آخر ہیں۔

میں نے جس طرح سے موضوعات کو سمجھا ہے اور قرآن کے مطابق پایا ہے اس طرح آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ میری اس کاوش سے امت مسلمہ کو فائدہ حاصل ہو۔

محمد نواز ساحر

01

تصورِ
خُدا

وہ اللہ تمہارا رب ہے۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ تو تم صرف اُس ہی کی عبادت کرو۔ وہ ہر چیز کا نگہبان ہے (102)
[الانعام]

انسان جب اپنے عہد طفولیت میں تھا تو اس کی حالت عجیب تھی۔ وہ ہر اُس قوت کو جو نگاہوں سے او جھل ہو اور ہر اس مافوق الفطرت واقعہ کو جس کا سبب بظاہر معلوم نہ ہو سکے، خارق عادت سمجھ کر اس سے خوف کھانے لگتا اور اُس کے مضر اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے اس کی خوشامدیں کرتا جس کا اظہار پرستش کی صورت میں کیا جاتا۔
بادل کی گرج بجلی کی کڑک، بارش، زلزلے اور اسی قسم کے دیگر حوادث و واقعات جن کی علت و حقیقت اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی اس کی عقل و ہوش کو چکر میں ڈالنے کے لئے کافی تھے وہ ان غیر مرئی حوادث کو مافوق الفطرت قرار دیتا۔ انہیں دیوتا سمجھتا اور ان کی پرستش کرتا۔

☆ ایسا کیوں؟
انسان کا یوں بھٹکنا اور ڈرنا فطری عمل تھا۔

جب اس نے حالات و واقعات کا جائزہ لینا شروع کیا تو بہت ساری چیزیں اس کے لیے حیران کن نہ رہیں بلکہ اس نے ان چیزوں کو استعمال کرنا سیکھ لیا اور ان سے فائدہ اٹھانے لگا۔

مگر پھر بھی کئی چیزیں ایسی باقی تھیں جنہیں مسخر کرنا اور جاننا اس کے لیے ضروری تھا۔

یہی وجہ ہے کہ انسان نے ایک دیوتا سے دوسرے دیوتا کی جانب ہجرت کی۔

وہ کمزور سے طاقتور کی جانب سفر کرنے لگا اور یوں خداؤں کی متواتر ادلا بدلی ہوتی رہی۔

سادہ لفظوں میں وہ کسی ایسے خدا کی تلاش میں تھا جو سب سے زیادہ طاقتور ہے۔

اسی تجسس نے اسے ہر طاقتور اور بلند چیز کے سامنے سرنگوں کیا۔

اس کا یہ تجسس صرف خدا کے لیے نہیں تھا بلکہ وہ اس کائنات کے رازوں سے پردہ اٹھتے دیکھنا چاہتا تھا۔

☆اور پھر

اس بھٹکے اور متجسس انسان کے لیے کائنات کے خالق نے احسن انتظام فرمایا۔

یوں انبیاء کی بعثت کا سلسلہ شروع ہوا۔

جنہوں نے ان بھٹکے ہوئے مسافروں کو حقیقی خدا "اللہ" سے روشناس کروانے کا فریضہ انجام دیا۔

صدیوں کا بھٹکا ہوا انسان جب اس روشنی سے روشناس ہوا تو اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

اسے اپنی منزل مل چکی تھی۔

وہ ہر اس حقیقت سے ہمکنار ہوا جسے وہ جاننے کا منتظر تھا۔

اس کی پیدائش کا مقصد اور رازِ کائنات اس کی آنکھوں کے سامنے کھل چکے تھے۔

اب حقیقت اس کے سامنے عیاں ہو چکی تھی۔

☆ مگر پھر بھی

مگر پھر بھی اکثریت اس روشنی کو دیکھتے ہی الٹے پاؤں بھاگنے لگی۔

ان کے دلوں میں خیالی خداؤں اور فرضی توہمات کا تصور راسخ ہو چکا تھا۔

وہ صدیوں سے اٹھائے ہوئے اس بوجھ کو اٹھا پھینکنے پر راضی نہ تھے۔

انہوں نے انبیاء کو جھٹلایا اور گمراہیوں میں رہنا پسند کیا، بلآخر ناکامیاں ان کے حصے میں آئیں۔

☆بعد کے لوگ

جن لوگوں نے انبیاء کی تعلیمات پر عمل کیا (جو تعلیمات اس کائنات کے حقیقی خدا "اللہ" کی طرف سے بھیجی گئیں تھیں) وہ کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے مگر بعد کے لوگوں نے اپنے فائدے کے لیے ان میں تحریفات کیں اور بربادی و تنزلی کا شکار ہوئے۔

☆اللہ کا حتمی فیصلہ

یہی تحریف شدہ تعلیمات لوگوں کو بربادی کی طرف دھکیلے جا رہیں تھیں۔
پھر اللہ تعالیٰ نے ان تحریفات کے اندھیرے میں پھنسی ہوئی انسانیت کو حقیقت کی روشنی سے روشناس کروایا۔
انہیں آخری نبی محمد ص کی صورت میں نجات دہندہ عطا فرمایا جس نے حق و باطل کے درمیان فرق کو ان پر واضح کر دیا۔
وہی تعلیمات جو کہ مسخ ہو چکیں تھیں یا تحریف کا شکار ہو چکیں تھیں از سر نو (قرآن کی شکل میں) انسانیت تک پہنچ گئیں۔
چونکہ نبوت کا سلسلہ اب ختم ہو چکا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان تعلیمات (قرآن) کی حفاظت کا زمہ خود لے لیا۔

☆آخر کیسے؟

صرف اس بات سے کہ قرآن کی حفاظت کا زمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے، کیا ہم اس بات پر یقین کر سکتے ہیں کہ یہ قرآن ابھی تک تحریف شدہ نہیں۔

اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہی فرمادیا ہے کہ اس کتاب (قرآن) کے سچ ہونے کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ اس کی آیات کے مصدقہ ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں ہے۔

یہ شک کرنے والوں کے لیے ایک قسم کا چیلنج بھی ہے کہ اگر وہ اسے جھوٹا سمجھتے ہیں تو تحقیق کریں اور دیکھیں، بلآخر کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس کا مصنف (اللہ) نہ صرف اس (قرآن) کے غلطی سے پاک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے بلکہ پڑھنے والوں اور تحقیق کرنے والوں کو غور و فکر کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے۔

07

فرشتے کیا ہیں؟

☆فرشتے کیا ہیں؟

فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔

قرآن کریم میں فرشتوں کا ذکر متعدد بار آیا ہے۔

قصہِ ابلیس و آدم اور غزوہ اُحد کے متعلق آیات میں فرشتوں کا واضح ذکر ملتا ہے۔

فرشتے انسانوں سے پہلے پیدا کئے گئے۔

☆فرشتوں کی ساخت

فرشتے کیسے نظر آتے ہیں؟، کتنے بڑے ہیں؟،اس طرح کے سوالات پر کئی بحثیں کی جا چکی ہیں۔

احادیث کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا ہے اور فرشتہ انسانوں (انبیاء) کے پاس پیغامِ الٰہی لے کر صرف انسانی شکل میں آتا ہے جیسا کہ حضرت جبرائیل نبی کریم ص کے پاس انسانی صورت میں آیا کرتے تھے۔

کسی نبی کا فرشتے کو اصل شکل میں دیکھنا ثابت نہیں ہے۔

اس حوالے سے جتنے واقعات گھڑے گئے ہیں جھوٹ پر مبنی ہیں۔

☆فرشتوں کے کام

فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے کے پابند ہیں۔

چونکہ فرشتوں کی تعداد کسی بھی صحیح حوالے سے ثابت نہیں ہے اس لیے ہم ان کی زمہ داریوں کے متعلق زیادہ کچھ نہیں جانتے۔

چند ایک کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے۔

جیسا کہ حضرت جبرائیل کے بارے میں ہے کہ وہ وحی لے کر نبی کریم ص کے پاس آئے۔

☆فرشتہ غیر نبی کے پاس آسکتا ہے؟

فرشتہ غیر نبی کے پاس نہیں آسکتا! اور نہ ہی غیر نبی اسے دیکھ سکتا ہے۔

یہاں ایک بات ذہن نشین کرلیں کہ حضرت مریم والے واقعے (حضرت عیسیٰ کی خوشخبری) میں اور حضرت ابراھیم و حاجرہ والے قصے (حضرت اسماعیل کی خوشخبری) میں فرشتوں کا غیر نبی کے پاس آنا بتایا جاتا ہے اور قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ بھی اسی لحاظ سے کیا جاتا ہے۔

حالانکہ قرآن مجید واضح الفاظ میں انہیں فرستادہ مطلب " پیغام رساں " بتاتا ہے۔

اب وہ پیغام رساں کون تھے اس بارے میں مفصل واقعہ موجود نہیں ہے۔ وہ اس لیے کیونکہ قرآن مجید تاریخ کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ ہدایت کا ذریعہ ہے جہاں جس واقعہ سے ہدایت مقصود ہو اسے بیان کر دیا جاتا ہے۔

☆ کیا نبی فرشتوں کو حکم دے سکتا ہے؟

فرشتہ کا کام فقط نبی تک پیغامِ الٰہی کو پہنچانا ہوتا ہے۔

وہ نبی سے حکم نہیں لیتا بلکہ اسے اللہ تعالٰی کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔

ہمارے ہاں مختلف شخصیات کے واقعات میں فرشتوں کو حاضر کرنے اور انہیں احکامات دینے کے کرشمے موجود ہیں جو کہ سراسر غلط اور جھوٹ پر مبنی ہیں۔

نبی

اور

حقیقت!

☆ نبی کسے کہتے ہیں؟

نبی پیغام پہنچانے والے کو کہتے ہیں۔

اللہ کی طرف سے بھیجے گئے پیغام کو انسانوں تک پہنچانے والا (منتخب شخص) اللہ کا نبی کہلاتا ہے۔

☆ نبی کے اوصاف

نبی کو اللہ کی طرف سے منتخب کیا جاتا ہے اس لیے اس کی تربیت و نگرانی بھی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بگڑے ہوئے معاشرے میں بھی اس کے اوصافِ حمیدہ قابلِ رشک دیکھائی دیتے ہیں۔

نبی کا کردار کامل اور دوسروں لوگوں کے لیے نمونہ ہوتا ہے۔

جیسا کہ نبی کریم ص نے کوہِ صفا پر پہلے خطبے میں بطور دلیل اپنے کردار کو پیش کیا۔

وہاں موجود سبھی لوگوں نے اس بات کی تائید کی کہ بے شک آپ جھوٹ نہیں بولتے۔

☆نبی مصلحت کے تحت جھوٹ بول سکتا ہے ؟

نبی نبوت سے پہلے اور بعد میں کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتا۔

اگر نبی جھوٹ بولے اور گناہ کے کام سرانجام دے تو لوگ کبھی بھی اس کے کردار سے متاثر نہیں ہوں گے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ نبی ان چیزوں سے پاک ہوتا ہے کیونکہ اس کی تربیت و نگرانی اللہ کے ذمے ہوتی ہے۔

بعض روایات اور قرآن مجید کی آیات کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے کہ نبی مصلحت کے تحت جھوٹ بول سکتا ہے۔

جیسا کہ حضرت ابراھیم کا خود بتوں کو توڑ کر بڑے بت کا نام لینا اور بادشاہ کے سامنے اپنی بیوی کو بہن کہنا۔

☆واقعات کی حقیقت

پہلا واقعہ قرآن کریم میں موجود ہے اور آیات کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کوئی جھوٹ نہیں تھا بلکہ ایک کھلا ہوا طنز تھا۔

اور وہ یہ کہ "تم اس بڑے بت سے پوچھو جس کے کندھے پر کلہاڑا ہے"

حضرت ابراھیم ان سے ڈرنے والے نہیں تھے کہ ان کے ظلم سے بچنے کے لیے

جھوٹ کا سہارا لیتے۔
حلانکہ وہ لوگ بھی جانتے تھے کہ بتوں کو ابراھیم نے توڑا ہے مگر حضرت ابراھیم کے اس طنز کے بعد لاجواب ہو گئے۔
اور بولے ابراھیم " تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں"
یہی وہ نقطہ تھا جہاں حضرت ابراھیم انہیں لانا چاہتے تھے۔
دوسرا واقعہ توریت سے ماخوذ ہے جو کہ نبی کی شان میں کھلی گستاخی ہے۔
پتہ نہیں کیسے یہ ہماری روایتوں میں ٹھوس دیا گیا اور ہم مسلمان اس کڑوی گولی کو صرف اس لیے نگل گئے کہ یہ ہمارے اماموں کی تصانیف میں موجود ہے۔

☆ نبی کے معجزے
نبی کے پاس سب سے بڑا معجزہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے اور وہ اسی ہدایت نامے سے لوگوں کی اصلاح کرنے پر مامور ہوتا ہے۔
معجزوں کا ذکر
کچھ معجزوں کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے جیسا کہ :
حضرت موسیٰ کے عصا کا اللہ کے حکم سے سانپ بن جانا۔
حضرت عیسیٰ کا اللہ کے حکم سے مردوں کو ذندہ کرنا۔

حضرت موسیٰ کا اللہ کے حکم سے سمندر میں راستہ بنانا۔
حضرت ابراھیم پر آگ کا گلزار ہونا۔

☆ معجزوں کی حقیقت

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ قرآن مجید میں ان واقعات کو تمثیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

سمندر سے راستہ بنانا

جیسا کہ "حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم سے عصا مار کر راستہ بنایا اور اپنے لوگوں کو گزارا"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق طے شدہ راستے سے اپنے لوگوں کو سمندر سے گزار لیا۔

آج سے ہزاروں برس پہلے زمین ایسی بلکل نہ تھی جیسی اب ہے اور سمندر بھی ایسے نہیں تھے۔

جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ ان ہزاروں برسوں میں خشکی کے بہت سے حصے نشیب میں اور نشیب کے بہت سے حصے خشکی میں تبدیل ہو چکے ہیں۔

اس وقت حضرت موسیٰ کو جس راستے سے سفر کرنے کو کہا گیا تھا وہ ذیادہ تر خشکی

پر مشتمل تھا یا مد و جذر کی وجہ سے خشک ہو چکا تھا۔
ان کے گزرنے کے بعد جیسے ہی فرعون اس راستے سے گزرا سمندر کا پانی مد و جذر کی وجہ سے اونچی جگہ پر چڑھ گیا اور یوں وہ لشکر سمیت غرق ہو گیا۔

☆ جادو گروں سے مقابلہ

اسی طرح جب فرعون سے حضرت موسیٰ کی لاٹھی و ید بیضاء (روشن دلیلوں) کا جواب نہ بن پایا تو انہیں جادو گر (باتوں سے فریب دینے والا) قرار دے دیا اور کہا ہم بھی دربار میں اسی طرح کے جادو گر بلائیں گے۔
اسے ڈر تھا کہ لوگ موسیٰ کی باتوں کو مان کر مجھ سے متنفر نہ ہو جائیں اور میری بادشاہت خطرے میں نہ پڑ جائے۔
اسی لیے اس نے مقابلے کا اعلان کر دیا۔
مقابلے کے دن جادو گروں (عالموں) نے اپنے دلائل کی رسیاں حضرت موسیٰ کی جانب اچھالیں۔
لوگوں کو لگا کہ آج یقیناً موسیٰ ان سے ہار جائے گا۔
مگر جب حضرت موسیٰ نے دلائل کا اژدھا میدان میں اتارا تو جادو گروں (عالموں) نے حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ یہ آدمی اپنے دعوے میں سچا ہے۔

☆آگ کا گلزار ہونا

قرآن مجید میں ہے کہ "اللہ نے حضرت ابراھیم کو ان کی بھڑکائی ہوئی آگ سے بچالیا"

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت ابراھیم نے ان کے بتوں کو توڑا اور پھر ان پر طنز بھی کیا جس کا جواب ان کے پاس نہیں تھا۔

انہوں نے مشورہ کیا کہ ابراھیم کو قتل کر دیا جائے۔تا کہ ہم اپنے معبودوں کا بدلہ لے سکیں۔

یہی وہ بدلے کی آگ تھی جو ان کے سینوں میں جل رہی تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیم کو محفوظ کر دیا مطلب ہجرت کا حکم دے دیا۔

اس طرح حضرت ابراھیم وہاں سے ہجرت کر گئے۔

آگ کا الاؤ تیار کرنے والا واقعہ تقریباً توریت سے ماخوذ ہے۔

قرآن مجید میں ایسا کوئی بیان نہیں۔

☆مردوں کو زندہ کرنا

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کے بارے میں ہے کہ "وہ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے"۔

یہاں مردوں سے مراد زمین میں دفن مردے نہیں ہیں بلکہ وہ مردے ہیں جن کی روح مسخ ہو چکی تھی اور حضرت موسیٰ نے انہیں اللہ کے حکم (تعلیمات) سے از سرِ نو زندہ کر دیا۔

وہ ہاتھ سے پرندے بنا کر اڑایا کرتے تھے اس بات کا قرآن میں کہیں ذکر موجود نہیں ہے ہو سکتا ہے یہ بھی تحریف شدہ کتابوں سے ماخوذ ہو۔

☆نبی کریم ص کے معجزے

جیسا کہ پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ ہر نبی کے پاس سب سے بڑا معجزہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات اور اس کی رہنمائی ہوتا ہے۔

اسی طرح ہمارے نبی محمد ص کے پاس بھی یہی معجزہ (قرآن مجید) تھا۔

جیسے ہم لوگ تحریف شدہ کتابوں کے واقعات سے متاثر ہیں۔

ایسے ہی نبی کریم ص کے زمانے میں بھی لوگوں نے قصے سُن رکھے تھے اور وہ نبی کریم ص سے یہی مطالبہ کرتے تھے کہ کوئی جادوئی کرشمہ کر کے دیکھاؤ جیسے دوسرے نبی کرتے تھے۔

☆ معجزوں کی کتابیں

آج کل ہمارے پاس معجزوں کی موٹی موٹی کتابیں موجود ہیں۔

جن میں سارے نبیوں کے بے شمار معجزے درج ہیں۔

ان میں کچھ قرآن کے بیان کردہ ہیں اور کچھ روایات میں سے درج کئے گئے ہیں۔

معجزوں کے حوالے سے بیشتر روایات من گھڑت ہیں۔

ان میں نبیوں کو اٹھتے بیٹھتے جاگتے سوتے آتے جاتے معجزے کرتے دیکھا یا گیا ہے۔

جس سے وہ نبی کم اور جادوگر زیادہ لگتے ہیں۔

تقدیر

کے

ہے؟

☆تقدیر کے بارے میں

جب سے انسان نے شعور کی بلند پر واز طے کی ہے ایک چیز نے اسے ہمیشہ سے ہی ڈرائے دھمکائے اور مجبور بنائے رکھا ہے۔

اس ایک چیز کا نام تقدیر ہے۔

ہم اکثر سُنتے رہتے ہیں کہ بھائی بیچارے کی قسمت میں ہی ایسا لکھا تھا، بھائی جان نصیب کا لکھا کون ٹال سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

قسمت، نصیب، تقدیر ایک ہی بلا کے مختلف نام ہیں۔

ہر اس واقعہ کا زمہ دار اسی بلا کو ٹھہرایا جاتا ہے جس پر انسان خود کو بے بس محسوس کرتا ہے۔

☆انسان آزاد ہے؟

اس سوال کا جواب نہایت سادہ ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد پیدا فرمایا ہے۔

وہ چاہے تو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہو راستے پر چلے اگر چاہے تو ان اصولوں کی خلاف ورزی کرے۔

☆ پھر ایسا کیوں ہے؟

اگر انسان آزاد ہے تو یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہے کہ اس نے جو کچھ کرنا ہے وہ پہلے سے ہی لکھ دیا گیا ہے۔

اگر پہلے سے لکھ دیا گیا ہے تو انسان بے چارہ اب کیا کرے؟

اس کی برائیاں اچھائیاں جب پہلے سے طے شدہ ہیں تو وہ انہیں انجام دینے کے لیے مجبور ہے!.

جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے " بے شک ہم نے ہر چیز ایک اندازے سے پیدا فرمائی"

☆ اب اگر

ہم اس اندازے کو تقدیر سمجھیں تو مطلب کائنات کی ہر چیز کی تقدیر لکھی جا چکی ہے۔

اور پھر تو واقعی ہر چیز مجبور اور بے بس ہے۔

☆ مگر ایسا نہیں!

بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان کو بااختیار اور آزاد پیدا فرمایا ہے۔

اس نے انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو اس کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی گزارے اور سبھی جہانوں میں سرخرو ہو، چاہے تو خلاف ورزی کرے اور سبھی جہانوں میں ذلیل ورسواء قرار پائے۔

☆ذرا غور کیجئے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے لفظ "قانون" کے بجائے ایک ہمہ گیر لفظ "قدر" کا استعمال فرمایا ہے جس کے معنی "اندازہ یا پیمانہ" کے ہیں۔

اس اندازے یا پیمانے کا مطلب ہے ایک متعین شدہ طریقہ کار یا متعین شدہ قانون۔

جیسا کہ آگ کے بارے میں متعین اندازہ یہ ہے کہ وہ چیزوں کو جلائے گی۔

اب اس میں کوئی پرہیزگار انگلی ڈالے یا بدکار، نتیجہ برابر برآمد ہو گا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اندازہ (قانون) ہر ایک کے لیے ایک جیسا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات حق پر پیدا فرمائی ہے اور ہر چیز کے لیے قانون متعین فرما دیا ہے۔

اگر کوئی چاہے تو ان قوانین کو سمجھ کر کائنات کی چیزوں کو تسخیر کر لے یا چاہے تو ان کی خلاف ورزی کر کے اپنا نقصان کرے۔

اگر کوئی آگ میں انگلی ڈالے گا تو اپنی ہی انگلی جلائے گا اگر اس سے فایدہ حاصل کرنا چاہے تو فایدہ بھی حاصل کر سکتا ہے۔

بجائے کہ اس بات پر رونا دھونا شروع کر دے کہ انگلی کا جلنا میری قسمت میں لکھا تھا۔

اسی طرح کائنات کی ہر چیز انسان کے لیے قابلِ تسخیر ہے۔

وہ وحی کی روشنی میں چیزوں کو تسخیر کرتا ہے تو اس کی دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔

اگر سمجھ میں نہ آنے والے واقعات کو تقدیر سمجھ بیٹھے گا تو وہ اشرف المخلوقات کہلانے کے قابل نہیں ہے۔

حلانکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ وہ ان واقعات پر غور و فکر کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی غور و فکر کرنے کا فرمایا ہے۔

☆تقدیر یا راہِ فرار؟

اگر ہم یہ سوچ کر دل کو تسلی دیں لیں کہ بہر حال تقدیر کا تصور انسان کے لیے فائدہ مند ہی ہے جسے کہ اگر کسی شخص کا کوئی نقصان ہو جائے تو وہ خود کو تسلی دے سکتا ہے کہ " میری قسمت میں ہی ایسا لکھا تھا!"۔

اس دلاسے سے وہ خود کو کوسنے والی اذیت سے بچ جاتا ہے اور پھر سے زندگی کی رعنائیوں سے لطف اندوز ہونے لگتا ہے۔

مگر رکیے! یہ بات درست نہیں ہو سکتی۔

کیونکہ اسے ہونے والے نقصان کی تلافی کے لیے کچھ کرنا چاہیے تھا اور آئیندہ کے لیے لائحہ عمل تیار کر لینا چاہیے تھا۔

مگر اس شخص نے راہِ فرار اختیار کر کے (تقدیر پر الزام لگا کر) خود کو تسلی دینے کی کوشش کی ہے۔

جس کا مطلب ہے یہ ہے کہ وہ اپنی زمہ داری قبول نہیں کر رہا اور مستقبل میں مزید نقصان اٹھانے والا ہے۔

ابلیس اور حقائق

☆ایک کردار

دنیا میں جہاں کہیں برائی کا کوئی پہلو نظر آتا ہے، اس کے پیچھے یا پسِ پردہ موجود ایک کردار کا ذکر ضرور کیا جاتا ہے۔

یہ کردار ابلیس یا شیطان کے طور پر جانا جاتا ہے۔

یہ کون ہے؟ کہاں سے آیا اور انسانوں کو کیسے بہکاتا ہے اس پر روشنی ڈالنا نہایت ضروری ہے۔

☆ابلیس کون ہے کہاں سے آیا؟

سب سے پہلے یہ سوال کہ ابلیس کون ہے؟

قرآن مجید میں حضرت آدم کے تذکرے میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

"فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا لیکن اللہ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے ابلیس نے سجدہ ریز ہونے سے انکار کر دیا"۔

یہاں سے ابلیس کی کہانی شروع ہوتی ہے۔

پھر اسے وہاں سے نکال دیا جاتا ہے اور اس پر لعنت پڑ جاتی ہے۔

یہ (ابلیس) انسانوں کو بہکانے کے لیے مہلت طلب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے یہ کہہ کر مہلت دے دی جاتی ہے کہ "جو میرے بندے ہیں

وہ تیرے شکنجے میں نہیں آنے والے"۔
یہ تھا ابلیس کا مختصر تعارف کہ یہ کون ہے اور کہاں سے آیا!

☆طریقہ واردات!

اب سوال یہ ہے کہ یہ انسانوں کو بہکاتا کیسے ہیں۔
ویسے آج تک کسی شخص نے حقیقت میں ابلیس کو نہیں دیکھا اور نہ ہی یہ دعویٰ کیا ہے کہ کوئی برائی کرتے وقت ابلیس بذاتِ خود میرے ساتھ شامل تھا۔
اگر ابلیس کسی کے ساتھ بذاتِ خود شامل نہیں ہوتا اور کسی نے دیکھا بھی نہیں تو پھر یہ انسانوں کو ورغلاتا کیسے ہے؟ انسان اس کے چنگل میں کیسے پھنس جاتے ہیں؟
قرآن مجید میں وسوسوں کو ابلیس کا کاری ہتھیار بتایا گیا ہے۔

☆وسوسے کون ڈالتا ہے؟

عصری تعلیم کے طالب علم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ وسوسے ڈالنا یا کسی چیز کی جانب مائل کرنا انسانی ذہن (عقل) کا کارنامہ ہے۔
یہی وہ چیز ہے جو انسان کو اچھے یا برے کام سرانجام دینے کے لیے جواز فراہم

کرتی ہے۔

☆ حقیقی ابلیس یا شیطان!

اگر قرآن کے واقعے پر غور کریں تو ں لفظی معنوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان جیسی ہستی (ابلیس) سے مخاطب ہے اور فرشتے سامنے سجدہ ریز ہیں۔

لیکن واقعے کو تمثیلی انداز سے سمجھیں تو فرشتے کائنات کی قوتیں ہیں جو انسان کے لیے تسخیر ہو گئیں ہیں اور ابلیس سے مراد انسانی عقل کا وہ پہلو ہے جو اسے وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور حدود اللہ سے تجاوز کرنے پر اکساتا ہے۔

جیسے حضرت آدم و حوا کو جنت میں اکسایا گیا تھا۔

اگر اسی عقل کو وحی کی روشنی میں استعمال کیا جائے تو انسان کے لیے کامیابی و کامرانی کی راہیں ہموار ہو جاتی ہیں۔

☆ کیا انسانی عقل ہی شیطان ہے؟

یہاں ایک چیز سمجھ لیں کہ انسانی عقل ابلیس نہیں ہے بلکہ ابلیسیت انسانی عقل کا دوسرا رخ ہے۔

اگر عقل کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو ابلیسیت اس پر غالب آجائے اور یہ فساد، خون ریزی کا سبب بنے گی۔

وحی کا نور اسے بے لگام ہونے سے روکتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی معبوث فرمائے تاکہ وہ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچائیں اور انسانوں کو فلاح کی راہ دیکھائیں۔

اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

☆اعلانِ نبوت

نبی کریم ص پر جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہوئی تو آپ نے نبوت کا اعلان کیا اور اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا۔

اس کام کے لیے آپ نے سب سے پہلے اپنے ارد گرد کے افراد کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

☆آغازِ سفر میں

کچھ لوگوں نے اس نئے انقلاب کی آہٹ پر لبیک کہا مگر اکثریت اسے قبول کرنے سے گریزاں رہی۔

اس چھوٹی سی جماعت کے ساتھ آپ نے مسلسل جدوجہد جاری رکھی۔

آپ کی تبلیغ رنگ لے آئی اور ایک کے بعد ایک نے اس ہدایت کو اپنانا شروع کر دیا۔

☆مشرکین کا ردِ عمل

یہ بات مشرکین کو ناگوار گزر رہی تھی۔

اسی لیے انہوں نے آپ ص کے قتل کی سازشیں شروع کر دیں اور ایمان والوں

پر انتہائی ظلم کے پہاڑ ڈھائے گیے۔

☆ہجرت کا حکم

اسی دوران آپ ص کو اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم ملا۔

آپ نے اپنے اصحاب کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا اور بذاتِ خود ہجرت فرمائی۔

☆مدینہ کا ماحول

مدینہ کی فضا اسلام کی روشنی پھیلانے میں معاون ثابت ہوئی۔

وہاں کے لوگوں نے نبی ص کی آواز پر لبیک کہا اور مہاجرین کی مدد بھی کی۔

یہ لوگ بخوشی اس کارواں میں شامل ہو گئے جسے عظیم انقلاب کے لیے پیش رفت کرنی تھی۔

☆یہ کیسے لوگ تھے؟

یہ اصحاب کیسے تھے؟

تاریخ ان کے بارے میں کیا کہتی ہے؟

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کی سرزمین کو اس مقدس فریضے کے لیے کیوں منتخب کیا۔

☆ان کی خصوصیات

وہاں کے لوگوں کی خصلتوں کا جائزہ لیں تو یہ بات ابھر کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ وعدے کے پکے اور وفاشناس لوگ تھے۔

وعدے کی پاسداری کے لیے جان دینے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔

ایک دفعہ جس بات کے لیے اڑ گئے مرتے دم تک اسی پر ٹکے رہے۔

☆ نبی اکرم ص کا فریضہ

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے آراستہ کرنے کا فریضہ نبی اکرم ص کو سونپا گیا تھا۔

جسے آپ ص نے احسن طریقے سے ادا کیا۔

آپ ص نے ان کی تعلیم و تربیت فرمائی۔

جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی یہی خصوصیات اسلامی معاشرے کی تشکیل میں قابلِ داد قرار پائیں۔

☆دین اسلام کا مکمل ہونا

جب اسلامی معاشرے کا قیام وجود میں آگیا تو آپ ص نے دین اسلام کے مکمل ہونے کا اعلان فرمادیا اور یوں اپنے فریضے کی تکمیل بھی کر دی۔

اس معاشرے کی تکمیل ایسے لوگوں کے ہاتھوں سے ہوئی جن کی تعلیم و تربیت آپ ص نے خود فرمائی تھی۔

اب اس معاشرے نے تمام انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لینا تھا اور اس معاشرے کو پھیلانے کا یہ اہم فریضہ اب اصحابِ رسول کے ذمے تھا جس کے لیے انہوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں تھیں۔

☆نبی ص کے بعد

ان لوگوں پر یہ بہتان لگانا کہ نبی کریم ص کے جانے کے بعد وہ مادی فائدے کی طرف مائل ہو گئے اور انہوں نے اسلام ترک کر دیا۔

یہ بات بذاتِ خود نبی کریم ص پر بھی ایک بہتان ہے۔

کہ وہ اپنے اصحاب کی صحیح سے تعلیم و تربیت نہیں فرما سکے اسی لیے اسلام ان کے دل میں جا گزیں نہ ہو سکا۔

اور رسولِ خدا اس بات سے لاعلم رہے کہ ان کے نزدیکی ساتھی اسلام سے کوئی

رغبت نہیں رکھتے۔

☆ بات بڑھ جائے گی!

اگر بات کو تھوڑا مزید بڑھائیں تو شاید ذاتِ خدا باری تعالیٰ بھی اس چیز سے بے خبر رہی کہ میرے فریضے کی تکمیل ایسے لوگوں کے ہاتھ لگنے والی ہے جو نااہل ہیں اور نبی کریم ص سے مخلص بھی نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جان بوجھ کر اس معاملے میں کوتاہی برتی۔

☆ مگر ایسا بلکل نہیں

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے اور وہ اپنے کام کی تکمیل کے لیے احسن انتظام فرماتا ہے۔

قیصر و کسریٰ، یونان اور یورپ تک اسلام کا پہنچنا اس امر کی تصدیق ہے کہ نبی کریم ص کے بعد اصحابِ رسول نے اپنا فریضہ جانفشانی سے پورا کیا۔

☆ ان پر طعن و تشنیع

مختلف نوعیت کے مسائل جو نبی کریم ص کے بعد امت کو درپیش رہے ان کی آڑ

میں ان پر لعن طعن کرنا اور انہیں بے دین سمجھنا کسی صورت درست نہیں ہے۔

☆فرسودہ روایات

چونکہ امتِ مسلمہ مختلف فرقوں میں بٹی ہوئی ہے اور ہر فرقے کے پاس روایات کی ڈھیروں کتابیں موجود ہیں۔

ان کا بیشتر حصہ خود ساختہ مجموعے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی لینا دینا نہیں۔

انہی روایات کے پیچھے اندھا دھند چلتے ہوئے امتِ مسلمہ کئی ٹکڑوں میں کٹ چکی ہے۔

اصل ضرورت یہ ہے کہ ان روایات کو پھینک دیا جائے جو قرآنی اصولوں کے منافی ہیں۔

اصحابِ رسول کی کردار کشی کے لیے ایسی ہی روایتوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔

اس امر کو سمجھنے کی شدید ضرورت ہے۔

امامِ غائب

و

خضر

☆سب سے پہلے

اس موضوع پر سب سے پہلے حضرت خضر کا تذکرہ کیا جانا چاہیے۔

کیونکہ یہی وہ ہستی ہیں جن کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے آبِ حیات پیا ہے اور وہ قیامت تک زندہ رہیں گے۔

☆قرآن مجید کے مطابق

قرآن مجید میں خضر نامی شخص کا کوئی ذکر نہیں ملتا البتہ تاریخی حوالوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس بات پر اتفاق کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے جس شخص سے سوالات کئے تھے وہی خظر نامی ہستی تھی۔

اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر بھی قرآن مجید کے حوالے سے ان کا آبِ حیات پینا ثابت نہیں۔

☆آبِ حیات کا فلسفہ

آب حیات کا فلسفہ خود ساختہ کہانیوں کا دلفریب مجموعہ ہے۔

قرآن مجید کے مطابق ایسا کوئی پانی اس کائنات میں موجود نہیں ہے جسے پی کر ہمیشگی کی زندگی حاصل کی جا سکے۔

☆اللہ تعالیٰ کی تردید

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی کریم ص کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ " اے نبی ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی کو دائمی زندگی عطا نہیں کی"

اس بات سے صاف واضح ہے کہ خضر نامی ولی اللہ اپنی زندگی گزار کر وفات پا چکے ہیں۔

ان کے بارے میں مشہور سبھی کہانیاں خود ساختہ اور جھوٹی ہیں۔

☆امامِ غائب

امامِ غائب کا نام امام مہدی ہے اور وہ گیارہویں امام حسن عسکری کے بیٹے ہیں (اہل تشیع).

ان کی آمد کا انتظار کرنے والوں کا دعویٰ ہے کہ وہ چھوٹی عمر میں ہی کہیں چھپ گئے ہیں اور پھر سے خود کو ظاہر کریں گے۔

☆وہ ابھی تک زندہ ہیں؟

یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ وہ ابھی تک زندہ کیسے ہیں؟

کیاامام کی زندگی باقی انسانوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے؟

امام خدا کے قانون سے بالاتر ہوتا ہے؟

قرآن مجید کی رو سے تاحال ایسا کوئی حوالہ میسر نہیں کہ کسی انسان کو ایسی حیات عطا ہوئی ہو اور وہ ہزاروں برس زندہ رہا ہو۔

☆ پھر سے وہی بات

بات یوں ہے کہ اس حوالے سے مختلف روایات جن کو نبی کریم ص کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے یا مختلف آئمہ کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے بلکل بھی درست نہیں ہیں۔

یہ جھوٹ ہے جس پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لینا صاحبِ عقل و علم کی بذاتِ خود توہین ہے۔

☆ محمد نامی شخص کی پیدائش

اسی طرح ایک حدیث کے مطابق محمد نامی شخص پیدا ہو گا اور دنیا کی تہذیبوں کو ملیامیٹ کرے گا۔

اس کی وجہ سے دنیا میں اسلام کا پھر سے غلبہ ہو جائے گا (اہلسنت)۔

☆مماثلت

امام غائب اور محمد نامی شخص میں فرق صرف پیدائش کا ہے۔

مطلب امام غائب پیدا ہو کر چھپ گیا ہے اور وہ غلبے کے لیے ظہور فرمائے گا جبکہ محمد نامی شخص پیدا ہو گا اور دنیا پر غالب آئے گا۔

دونوں کی منزل ایک ہی ہے کہ ظلم سے پستے ہوئے مسلمانوں کو عروج دلانا۔

☆شاید اسی لیے

کچھ لوگ امام غائب اور کچھ لوگ اس محمد نامی شخص کے انتظار میں ہیں تاکہ وہ انہیں دنیا کی عظیم الشان قوم بنا ڈالیں۔

☆ان لوگوں کے لیے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے " اللہ اس قوم کی حالت کبھی نہیں بدلتا جو خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہیں کرتے "

یہ لوگ ان لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور ان کا انتظار کرتے کرتے یہ لوگ مذید پستیوں میں جا گریں گے۔

اگر یہ لوگ اپنی حالت سنوارنے کی کوشش کریں اور اسلام کے نفاذ کے لیے خود سے اٹھ کھڑے ہوں تو پھر اللہ کی بشارت بھی انہی لوگوں کے لیے ہے۔

وسیلہ

برائے

مغفرت

☆وسیلہ کیا ہے؟

سادہ لفظوں میں وسیلہ اس واسطے کو کہتے ہیں جس سے کسی ضرورت کا پورا ہونا مقصود ہو۔

ہم روزمرہ زندگی میں کئی وسیلوں سے اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، گائے سے دودھ لیتے ہیں، دکاندار سے اشیاء خورد و نوش وغیرہ خریدتے ہیں۔

☆ہماری سوچ

ہم جانتے ہیں کہ دنیاوی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہمیں کسی نہ کسی ذریعے کی ضرورت پڑتی ہے۔

اسی لیے ہم قیاس کر لیتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بھی کوئی واسطہ ضرور ہونا چاہیے۔

☆ایک تصور

ہم بچپن سے متواتر سنتے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی دعائیں جلد قبول فرمالیتا ہے۔ شاید اسی لیے زیادہ تر لوگ بزرگ ہستیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ ان کی گزارشات اللہ تک جلد از جلد پہنچ جائیں اور وہ اپنے بندے

کی شفارش پر انہیں جلد نواز دے۔

☆ یہ تصور کہاں سے آیا؟
جب اسلامی ریاست خلافت سے ملوکیت کی جانب منتقل ہوئی اس وقت امیر کو سلطان کے لقب سے پکارا جانے لگا اور رعایا کے مستقبل کا فیصلہ سلطان کے ہاتھ میں آگیا۔
وہ اپنی مرضی سے جسے چاہتا نواز دیتا اور جسے چاہتا سزا کا حقدار قرار دے دیتا۔
وزراء سلطان کی چاپلوسی کرتے تاکہ سلطان کی جانب سے بلند مقام عطا کیا جائے۔
چونکہ یہی وزراء عام عوام کا پیغام سلطان تک پہنچاتے تھے اس لیے عوام پہلے وزراء کو خوش کرتی اور پھر سلطان تک رسائی ممکن ہوتی۔
اگر وزراء سے نوک جھونک ہو جاتی تو مطلب سلطان تک پہنچنا مشکل ہو جاتا۔

☆ یہاں سے
یہ تصور عوام کے ذہن میں بیٹھا دیا گیا کہ جیسے اس دنیا میں وسیلہ (وزراء) کے بغیر سلطان تک پہنچنا یا اس کی خوشنودی حاصل کرنا ناممکن ہے اسی طرح کائنات

کے سلطان (اللہ تعالیٰ) تک پہنچنے کے لیے بھی اس کے مقرب بندوں کا وسیلہ لازم ہے۔

☆اللہ اور سلطان

اس دور سے آج تک عوام اللہ تعالیٰ کی ہستی کو بھی سلطان جیسی خصوصیات کا حامل سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے چاہے وہ کتنا ہی گناہگار ہو اور جسے چاہے جہنم رسید کر دیتا ہے خواہ وہ پرہیزگار ہی کیوں نہ ہو۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کے چاہنے پر موقوف ہے جیسا کہ سلطان کی مرضی پر منحصر ہوتا تھا۔

☆لطیف نکتہ

اگر ہم کسی جج کو دیکھیں جو کہ اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور گواہوں، ثبوتوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔

کیا ہم اس جج کو عادل کہہ سکتے ہیں؟

ہر گز نہیں!

تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کرنے پر عادل کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ اس شخص کے اعمال اس فیصلے کے برعکس ہوں۔

☆قرآن کا اللہ تعالیٰ

جب ہم قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے کے لیے اس کی کتاب (قرآن مجید) کے علاوہ کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ کتاب (قرآن مجید) درحقیقت اس راستے کو جاننے کا ذریعہ ہے جس پر چل کر انسان اشرف المخلوقات کہلانے کا حقدار ٹھہرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں شمار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی شخص کی شفارش قبول نہیں فرمائے گا کیونکہ وہ عادل ہے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا ثمر ضرور ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند مقام و مرتبہ کس شخص کا ہے اس کے بارے میں ہمارے نبی محمد ص نے اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرمادیا تھا " کسی بھی شخص کو دوسرے شخص پر فوقیت حاصل نہیں مگر صرف تقویٰ کی بناپر"

☆پیر اور بزرگ

اب تقویٰ کی بنا پر فوقیت کا یہ مطلب نہیں کہ آپ پرہیزگار بن کر دوسرے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں اور ان سے نزرانے وصول کریں۔

ان کے جائز و ناجائز کاموں کے لیے خود کو اللہ کا وسیلہ قرار دیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مکروہ عمل ہے اور ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔

اس لیے کسی سید زادے یا پیر صاحب کو اس کے نسب کی وجہ سے معتبر سمجھنا قرآن کے منافی عمل ہے۔

☆توبہ کا راستہ

وہ شخص جو برائی کا راستہ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کر لے اس کے لیے مغفرت کی خوشخبری ہے۔

توبہ کا مطلب صرف منہ سے "اللہ میری توبہ" نہیں ہے بلکہ اپنے گزشتہ گناہوں کا کفارہ ادا کرنا ہے۔

اگر مخلوقِ خدا کا حق مارا ہے تو جہاں تک ممکن ہو سکے

انہیں وہ حق لوٹایا جائے اور اگر حقوق اللہ سے غفلت برتی ہے سرِ ندامت

مخلصانہ عبادت شروع کی جائے۔



عروج

و

زوال

☆غلط فہمیاں

آپ میں سے اکثر لوگوں نے کم از کم ایسا ایک فقرہ تو ضرور سنا ہو گا کہ "عروج کے بعد زوال ہے" یا ظالم کی حکومت زیادہ دیر نہیں ٹکتی... رات کے بعد صبح ضرور ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

☆غلط فہمیوں کی وجہ

بہت سے لوگ اپنی بے کسی کو انہی جملوں کے پیچھے چھپا لیتے ہیں... دل کو تسلی دے لیتے ہیں یا خود کو کوسنے سے بچ جاتے ہیں۔

یہ حال صرف کچھ لوگوں کا نہیں بلکہ بہت سی قوموں کا بھی ہے۔

وہ کسی دوسری ظالم قوم یا اپنے ظالم حکمران کے زوال کی دعائیں مانگتے ہیں اور صبحِ نو ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔

ظلم برداشت کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی دن تو ان سے جان چھوٹے گی۔

کسی دن تو اللہ کا عذاب ان ظالموں پر نازل ہو گا۔

☆اصل حقیقت

ان دعائیں مانگنے والوں اور امیدوں سے وابستہ ہونے والوں کو علم ہونا چاہیے کہ اللہ کا نظام ایسے کام نہیں کرتا۔

وہ کسی کی دعا پر کسی ظالم کو نست و نابود نہیں کرتا۔

اور نہ ہی امیدوں کے سہارے صبحِ نو کا آغاز ہوتا ہے۔

ایسی خواہشیں رکھنے والے عمر بھر ذلت کی زندگی گزارتے ہیں۔

ان کی نسلیں بھی ان کی طرح غلام ابنِ غلام ہی رہتی ہیں۔

"نظام کو بدل دے انقلاب برپا کر
بازو تمھیں بھیک مانگنے کو ملے ہیں؟"

اس معاشرے میں دعائیں اور عبادتیں کوئی معنی نہیں رکھتیں جہاں طاغوت کی پیروی کی جاتی ہو۔

☆یہ طاغوت کیا ہے؟

دراصل طاغوت ہر وہ شخص ہے ہر وہ نظام ہے جو اللہ کے نظام کی مخالفت

کرے۔

جس نظام میں سود خوری عام ہو، ناانصافی اور ظلم بڑھا ہوا ہو وہ نظام مسلمان کے لیے کفر سے بھی بد ترین ہے۔

مسلمان ایسے نظام میں رہ ہی نہیں سکتا کیونکہ ایسے نظام کو پاش پاش کرنے کی کوشش کرنا اس کے ایمان کا خاصہ ہے۔

جو لوگ ایسے نظام کے آگے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ مسلمان ہیں... یہ محض فریب کاری کے سوا کچھ بھی نہیں۔

☆مسلمان کا مقصد

مسلمان ایسے نظام کا حامی ہوتا ہے جہاں سب کو نشو نما کا سامان میسر ہو، وسائل کی رسائی چند لوگوں تک محدود نہ ہو، انصاف کے لیے بھٹکنا نہ پڑے، ظالم کو فرار کی راہ نہ ملے۔

ایسی جنت کی تخلیق ایک مسلمان کا مقصد ہوتا ہے۔

کسی سیاسی جماعت کی وجہ سے یا کسی مولانا، پیر، سید کی عقیدت کی وجہ سے ایسے نظام کی حمایت کرنا جو طاغوتی نظام کو سپورٹ کرے سراسر حماقت ہے کفر ہے۔

ظالم کے خلاف کلمہ حق بلند کرنا اور اللہ کے نظام کو غالب لانے کے لیے جدوجہد

کرنا اصل عبادت ہے۔
یہی مسلم کی زندگی کا مقصد بھی ہے۔

☆خالص اسلامی نظام
کسی فرقے یا سیاسی پارٹی کے نقطہ ء نظر کو جو کہ ملوکیت اور نفرت کے رنگ میں رنگا ہوا ہوا اسلامی کہنا درست بات نہیں۔
بلکہ خالص اسلامی نظام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمادیا ہے۔
ایک یہی نظام اسلامی نظام ہے اور اس کے سوا کسی بھی نظام کو مکمل اور جامع اسلامی نظام نہیں کہا جاسکتا۔
فقط اس نظام کے لیے کوشش کرنا عبادت اور جان دینا شہادت ہے۔

☆اگر ایسا ہوتا
اگر دعاؤں اور امیدوں سے قومیں برباد ہوتیں تو کسی نبی کو جنگ کی ضرورت پیش نہ آتی اور کسی مسلمان کو شہید نہ ہونا پڑتا۔
وہ بس گھروں میں بیٹھ کر دعائیں کرتے اور نعرے لگاتے۔

☆ قانونِ الٰہی

اللہ کے قانون کے مطابق عروج ان کے حصے میں آتا ہے جو میدان میں مقابلہ کرتے ہیں۔

اور کامیاب وہ ہیں جو باطل کو شکست دیتے ہیں اور اللہ کے نظام کو غالب لاتے ہیں جس میں کسی کا حق چھینا نہیں جاتا۔

کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوتی اور ہر شخص کو سامانِ نشو و نما میسر ہوتا ہے۔

کاہل اور بزدل قوموں کے حصے میں صرف ذلت اور غلامی ہوتی ہے۔

" اللہ اس قوم کی حالت کبھی نہیں بدلتا جو اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہیں کرتی "۔